فصل سوم

قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان کی دعوت

(۲)

یہ اعتراض کہ سارا قرآن بیک وقت کیوں نہ نازل ہوگیا؟ | جو کچھ اُوپر بیان کیا گیا ہے، اگرچہ اس سے قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کسی شک کی گنجائش باقی نہ رہی تھی ۔ مگر کفارِ قریش اُس کو انسانی کلام قرار دینے کے لیے بار بار جس بات کا سہارا لیتے تھے وہ یہ تھی کہ اگر یہ خدا کا کلام ہوتا تو ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل کر دیا جاتا۔ اس کا وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا کرکے ہمارے سامنے پیش کیا جانا یہ معنی رکھتا ہے کہ اسے سوچ سوچ کر تصنیف کیا جا رہا ہے۔ قرآن میں اُن کے اس اعتراض کو نقل کرکے، یا اس کی طرف اشارہ کرکے بڑے دل نشیں انداز میں ان کو بتایا گیا کہ یہ بتدریج کیوں نازل کیا جا رہا ہے اور اس تدریج کی حکمت کیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا
نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً
وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ
بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا۔
لَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ
بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا

(الفرقان - ۳۲-۳۳)

منکرین کہتے ہیں "اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اُتار دیا گیا؟" ـــــ ہاں، ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ (اے نبیؐ) اِس کو اچھی طرح ہم تمہارے ذہن نشین کرتے رہیں اور (اسی غرض کے لیے) ہم نے اس کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزاء کی شکل دی ہے۔ اور (اس میں یہ مصلحت بھی ہے) کہ جب کبھی وہ تمہارے سامنے کوئی نرالی بات (یا عجیب سوال) لے کر آئے، اُس کا ٹھیک جواب بروقت ہم نے تمہیں دے دیا اور بہترین طریقے سے بات کھول دی۔

یہ کفارِ مکہ کا بڑا دل پسند اعتراض تھا جسے وہ اپنے نزدیک نہایت زوردار اعتراض سمجھ کر بار بار دہراتے

تھے، مگر قرآن میں اس کے مدلل جوابات دے کر اس کا بھی پوری طرح قلع قمع کر دیا گیا۔ اُن کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ اگر یہ شخص خود سوچ سوچ کر، یا کسی سے پوچھ پوچھ کر اور کتابوں سے نقل کر کر کے یہ مضامین نہیں لا رہا ہے، بلکہ یہ واقعی خدا کی کتاب ہے تو پوری اکٹھی ایک ہی وقت کیوں نہیں آجاتی؟ خدا تو جانتا ہے کہ پوری بات کیا ہے جو وہ فرمانا چاہتا ہے۔ وہ نازل کرنے والا ہوتا تو سب کچھ بیک وقت فرما دیتا۔ یہ جو سوچ سوچ کر کبھی کچھ مضمون لایا جاتا ہے اور کبھی کچھ، یہ اس بات کی صریح علامت ہے کہ وحی اُوپر سے نہیں آتی، یہیں کہیں سے حاصل کی جاتی ہے، یا خود گھڑ گھڑ کر لائی جاتی ہے۔

اِس کے جواب میں قرآن کو بتدریج نازل کرنے کی بہت سی حکمتیں بیان کر دی گئی ہیں:

(۱) ایسا اس لیے کیا جا رہا ہے کہ وہ لفظ بلفظ حافظہ میں محفوظ ہو سکے، کیونکہ اس کی تبلیغ و اشاعت تحریری صورت میں نہیں بلکہ ایک اَن پڑھ نبی کے ذریعہ سے اَن پڑھ سامعین کے سامنے زبانی تقریر کی شکل میں ہو رہی ہے۔

(۲) تاکہ اُس کی تعلیمات اچھی طرح ذہن نشین ہو سکیں۔ اس غرض کے لیے ٹھیر ٹھیر کر تھوڑی تھوڑی بات کہنا اور ایک ہی بات کو مختلف اوقات میں مختلف طریقوں سے بیان کرنا زیادہ مفید ہے۔

(۳) تاکہ اُس کے بتائے ہوئے طریقِ زندگی پر دل جمتا جائے۔ اس غرض کے لیے احکام و ہدایات کا بتدریج نازل کرنا زیادہ مبنی بر حکمت ہے، ورنہ اگر سارا قانون اور پورا نظامِ حیات بیک وقت بیان کر کے اُسے قائم کرنے کا حکم دے دیا جائے تو ہوش پراگندہ ہو جائیں۔ علاوہ بریں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر حکم اگر مناسب موقع پر دیا جائے تو اس کی حکمت اور رُوح زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے بہ نسبت اس کے کہ تمام احکام دفعہ وار مرتب کر کے بیک وقت دے دیے جائیں۔

(۴) تاکہ تحریکِ اسلامی کے دَوران میں، جبکہ حق اور باطل کی مسلسل کشمکش چل رہی ہو، نبی اور اُس کے پیرووں کی ہمت بندھائی جاتی رہے۔ اِس لیے خدا کی طرف سے بار بار، وقتاً فوقتاً، موقع بموقع پیغام آنا زیادہ کارگر ہے بہ نسبت اس کے کہ بس ایک دفعہ ایک لمبا چوڑا ہدایت نامہ دے کر انہیں عمر بھر کے لیے دُنیا بھر کی مزاحمتوں کا مقابلہ کرنے کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔ پہلی صورت میں آدمی محسوس کرتا ہے کہ جس خدا نے اُسے اس کام پر مامور کیا ہے وہ اس کی طرف متوجہ ہے، اس کے کام سے دلچسپی لے رہا ہے، اس کے حالات پر نگاہ رکھتا ہے، اس کی مشکلات میں رہنمائی کر رہا ہے، اور ہر ضرورت کے موقع پر اُسے شرفِ باریابی و مخاطبت عطا فرما کر اس کے ساتھ اپنے تعلق کو تازہ کرتا رہتا ہے۔ یہ چیز حوصلہ بڑھانے والی اور عزم کو مضبوط رکھنے والی ہے۔ دوسری صورت میں آدمی کو یوں محسوس

ہوتا ہے کہ بس وہ ہے اور طوفان کی موجیں۔

آخر میں نزولِ قرآن میں تدریج کا طریقہ اختیار کرنے کی ایک اور حکمت بیان کی گئی ہے۔ قرآن مجید کی شانِ نزول یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ "ہدایت" کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف کرنا چاہتا ہے اور اس کی اشاعت کے لیے اس نے نبی کو ایجنٹ بنایا ہے۔ بات اگر یہ ہوتی تو یہ مطالبہ بجا ہوتا کہ پوری کتاب تصنیف کرکے بیک وقت ایجنٹ کے حوالے کر دی جائے۔ لیکن دراصل اس کی شانِ نزول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر اور جاہلیت اور فسق کے مقابلے میں ایمان و اسلام اور اطاعت و تقویٰ کی ایک تحریک برپا کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے اس نے ایک نبی کو داعی و قائد بنا کر اُٹھایا ہے۔ اس تحریک کے دوران میں اگر ایک طرف قائد اور اُس کے پیروؤں کو حسبِ ضرورت تعلیم اور ہدایات دینا اس نے اپنے ذمہ لیا ہے تو دوسری طرف یہ کام بھی اپنے ہی ذمہ رکھا ہے کہ مخالفین جب کبھی کوئی اعتراض یا شبہہ یا اُلجھن پیش کریں اُسے وہ صاف کر دے، اور جب بھی وہ کسی بات کو غلط معنی پہنائیں، وہ اس کی صحیح تشریح و تفسیر کر دے۔ اِن مختلف ضروریات کے لیے جو تقریریں اللہ کی طرف سے نازل ہوتی رہی ہیں ان کے مجموعے کا نام قرآن ہے اور یہ کتابِ آئین یا کتابِ اخلاق و فلسفہ نہیں بلکہ کتابِ تحریک ہے، جس کے معرضِ وجود میں آنے کی صحیح فطری صورت یہی ہے کہ تحریک کے اوّلِ لمحۂ آغاز کے ساتھ شروع ہو اور آخری لمحات تک جیسے جیسے تحریک چلتی رہے یہ بھی ساتھ ساتھ حسبِ موقع و ضرورت نازل ہوتی رہے۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ	جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے
وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ	ہیں ــــ اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کرے ــــ
قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ	تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم یہ قرآن خود گھڑتے ہو۔ اصل بات یہ ہے
بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝	کہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت سے ناواقف ہیں۔ ان سے
قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ	کہو کہ اسے تو روح القدس نے ٹھیک ٹھیک میرے رب
مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ	کی طرف سے بتدریج نازل کیا ہے تاکہ ایمان لانے والوں
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّ	کے ایمان کو پختہ کرے اور فرماں برداروں کو زندگی کے
بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝	معاملات میں سیدھی راہ بتائے اور انہیں فلاح و سعادت
(النحل ۱۰۱ تا ۱۰۲)	کی خوشخبری دے۔

ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرنے سے مراد ایک حکم کے بعد دوسرا حکم بھیجنا بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ

قرآن مجید کے احکام بتدریج نازل ہوئے ہیں اور بار ہا ایک ہی معاملہ میں چند سال کے وقفوں سے یکے بعد دیگرے دو دو، تین تین حکم بھیجے گئے ہیں۔ مثلاً شراب کا معاملہ، یا زنا کی سزا کا معاملہ۔ لیکن ہم کو یہ معنی لینے میں اس بنا پر تامل ہے کہ سورۂ نحل کی یہ آیت مکی دور میں نازل ہوئی ہے، اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے اُس دور میں تدریج فی الاحکام کی کوئی مثال پیش نہیں آئی تھی اس لیے ہم یہاں "ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرنے" کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کے مختلف مقامات پر کبھی ایک مضمون کو ایک مثال سے سمجھایا گیا ہے اور کبھی وہی مضمون سمجھانے کے لیے دوسری مثال سے کام لیا گیا ہے۔ ایک ہی قصہ بار بار آیا ہے اور ہر مرتبہ اسے دوسرے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک معاملہ کبھی ایک پہلو پیش کیا گیا ہے اور کبھی اُسی معاملے کا دوسرا پہلو سامنے لایا گیا ہے۔ ایک بات کے لیے کبھی ایک دلیل پیش کی گئی ہے اور کبھی دوسری دلیل۔ ایک بات ایک وقت میں مجمل طور پر کہی گئی ہے اور دوسرے وقت میں مفصل۔ یہی چیز تھی جسے کفارِ مکہ اس بات کی دلیل ٹھیراتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، معاذ اللہ، یہ قرآن خود تصنیف کرتے ہیں۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ اگر اس کلام کا منبع علم الٰہی ہوتا تو پوری بات بیک وقت کہہ دی جاتی۔ اللہ کسی انسان کی طرح ناقص العلم تھوڑا ہی ہے کہ سوچ سوچ کر بات کرے، رفتہ رفتہ معلومات حاصل کرتا رہے، اور ایک بات ٹھیک بیٹھتی نظر نہ آئے تو دوسرے طریقہ سے بات کرے۔ یہ تو انسانی علم کی کمزوریاں ہیں جو تمھارے اس کلام میں نظر آرہی ہیں۔

اس کے جواب میں پہلے بیان کیا گیا کہ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے "روح القدس" لے کر آرہی ہے — "روح القدس" کا لفظی ترجمہ "پاک روح" یا "پاکیزگی کی روح" ہے، اور اصطلاحاً یہ لقب حضرت جبریل کو دیا گیا ہے۔ دوسری جگہ (سورۂ شعراء میں) انھی کے لیے روح الامین کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، یعنی امانت دار روح یہاں وحی لانے والے فرشتے کا نام لینے کے بجائے اس کا لقب استعمال کرنے سے سامعین کو اس حقیقت پر متنبہ کرنا ہے کہ اس کلام کو ایک ایسی روح لے کر آرہی ہے جو بشری کمزوریوں اور نقائص سے پاک ہے۔ وہ نہ خائن ہے کہ اللہ کچھ بھیجے اور وہ اپنی طرف سے کمی بیشی کر کے کچھ اور بنا دے۔ نہ کذاب و مفتری ہے کہ خود کوئی بات گھڑ کے اللہ کے نام سے بیان کر دے۔ نہ بدنیت ہے کہ اپنی کسی نفسانی غرض کی بنا پر دھوکے اور فریب سے کام لے۔ وہ سراسر ایک مقدس و مطہر روح ہے جو اللہ کا کلام پوری امانت کے ساتھ لا کر پہنچاتی ہے۔

پھر بتایا گیا کہ اُس کے بتدریج اس کلام کو لے کر آنے اور بیک وقت سب کچھ نہ لے آنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ کے علم و دانش میں کوئی نقص ہے، جیسا کہ تم نے اپنی نادانی سے سمجھا ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی قوتِ فہم اور قوتِ اخذ میں نقص ہے جس کے سبب سے وہ بیک وقت ساری بات کو نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ ایک وقت کی سمجھی

ہوئی بات ہی پختہ ہو سکتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ روح القدس اس کلام کو تھوڑا تھوڑا کر کے لاتے، کبھی اجمال سے کام لے اور کبھی اُسی بات کی تفصیل بتائے، کبھی ایک طریقہ سے بات سمجھائے اور کبھی دوسرے طریقے سے، کبھی ایک پیرایۂ بیان اختیار کرے اور کبھی دوسرا، اور ایک ہی بات کو بار بار طریقے طریقے سے ذہن نشین کرانے کی کوشش کرے، تاکہ مختلف قابلیتوں اور استعدادوں کے طالبینِ حق ایمان لا سکیں اور ایمان لانے کے بعد علم و یقین اور فہم و ادراک میں پختہ ہو سکیں۔

اس تدریج کی دوسری مصلحت یہ بتائی گئی کہ جو لوگ ایمان لا کر فرماں برداری کی راہ چل رہے ہیں ان کو دعوتِ اسلامی کے کام میں اور زندگی کے پیش آمدہ مسائل میں جس موقع پر جس قسم کی ہدایات درکار ہوں وہ بروقت دے دی جائیں۔ ظاہر ہے کہ نہ انہیں قبل از وقت بھیجنا مناسب ہو سکتا ہے، اور نہ بیک وقت ساری ہدایات دے دینا مفید ہے۔

تیسری مصلحت یہ بتائی گئی کہ فرماں برداروں کو جن مزاحمتوں اور مخالفتوں سے سابقہ پیش آرہا ہے اور جس جس طرح انہیں ستایا اور تنگ کیا جا رہا ہے، اور دعوتِ اسلامی کی راہ میں مشکلات کے جو پہاڑ سدِّ راہ ہو رہے ہیں، ان کی وجہ سے وہ بار بار اِس کے محتاج ہوتے ہیں کہ بشارتوں سے ان کی ہمت بندھائی جاتی رہے اور ان کو آخری نتائج کی کامیابی کا یقین دلایا جاتا رہے تاکہ وہ پُر اُمید رہیں اور دل شکستہ نہ ہونے پائیں۔

یہ الزام کہ کچھ دوسرے لوگ قرآن تصنیف کر کے حضورؐ کو دے رہے ہیں

پچھلے الزام کے بالکل برعکس کفارِ مکہ ایک دوسرا الزام یہ لگاتے تھے کہ حضورؐ کو اس قرآن کے تصنیف کرنے میں کچھ دوسرے لوگ مدد دے رہے ہیں اور پُرانے زمانے کی لکھی ہوئی چیزیں نقل کروا کر آپ اُن سے سُنا کرتے ہیں، اور یہ کام شب و روز ہو رہا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ	جن لوگوں نے نبیؐ کی بات ماننے سے انکار کر دیا
اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ	ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ (فرقان) ایک من گھڑت چیز ہے جسے
عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ	اِس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے
جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۔ وَقَالُوْٓا	اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ بڑا ظلم اور سخت جھوٹ
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا	ہے جس پر یہ لوگ اُتر آئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ پرانے لوگوں
فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ	کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں یہ شخص نقل کرواتا ہے اور
اَصِيْلًا ۔ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ	وہ اسے صبح و شام سُنائی جاتی ہیں۔ (اے محمدؐ) ان سے کہو کہ

یَعۡلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا

اسے نازل کیا ہے اُس نے جو زمین و آسمان کا بھید جانتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔

(الفرقان - ۴ تا ۶)

اُن کا کہنا یہ تھا کہ یہ شخص خود تو اَن پڑھ ہے۔ مطالعہ کر کے نئی معلومات حاصل کر نہیں سکتا۔ پہلے اس نے کچھ سیکھا نہ تھا۔ چالیس برس کی عمر تک اُن باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ جانتا تھا جو آج اِس کی زبان سے نکل رہی ہیں۔ اب آخر یہ معلومات آ کہاں سے رہی ہیں؟ لامحالہ اِن کا سرچشمہ کچھ اگلے لوگوں کی کتابیں ہیں جن کے اقتباسات راتوں کو چپکے چپکے ترجمہ اور نقل کرائے جاتے ہیں، اُنہیں کسی سے یہ شخص پڑھوا کر سنتا ہے، اور پھر انہیں یاد کر کے ہمیں دن کو سناتا ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں وہ چند آدمیوں کے نام بھی لیتے تھے جو اہلِ کتاب میں سے تھے، پڑھے لکھے تھے اور مکے ہی میں رہتے تھے۔ ایک عدّاس تھا جو حُوَیطِب بن عبدالعزّیٰ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ دوسرا یَسار تھا جو علاء بن الحضرمی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اور تیسرا جَبر، عامر بن ربیعہ کا آزاد کردہ غلام۔

بظاہر یہ بڑا وزنی اعتراض معلوم ہوتا ہے۔ وحی کے دعوے کو رد کرنے کے لیے نبی کے ماخذِ علم کی نشان دہی کر دینے سے بڑھ کر وزنی اعتراض اور کیا ہو سکتا ہے۔ مگر آدمی پہلی ہی نظر میں یہ دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ ایسے زبردست اعتراض کے جواب میں کوئی دلیل پیش کرنے کے بجائے صرف یہ کہہ کر بات ختم کر دی گئی کہ تم صداقت پر ظلم کر رہے ہو، صریح بے انصافی کی بات کہہ رہے ہو، سخت جھوٹ کا طوفان اٹھا رہے ہو، یہ تو اس خدا کا کلام ہے جو زمین و آسمان کا بھید جانتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس شدید مخالفت کے ماحول میں جب ایسا زوردار اعتراض پیش کیا گیا تو اُسے یوں حقارت کے ساتھ کیوں رد کر دیا گیا؟ اور خود مخالفین نے اس کا صاف صاف مفصل جواب کیوں نہ مانگا؟ انہوں نے کیوں نہ کہا کہ ہمارے اعتراض کو محض ظلم اور جھوٹ کہہ کر بات ٹالی جا رہی ہے۔ پھر نئے نئے مسلمان ہونے والوں کے دلوں میں اس اعتراض سے کوئی شک کیوں نہ پیدا ہوا؟

اس کا جواب مکے ہی کے اُس ماحول پر تھوڑا سا غور کرنے سے مل جاتا ہے جس میں یہ اعتراض کیا گیا تھا۔

پہلی بات یہ ہے کہ مکے کے وہ ظالم سردار جو اس وقت ایک ایک مسلمان کو مار رہے تھے، کوٹتے اور تنگ کرتے پھر رہے تھے اُن کے لیے یہ بات کچھ بھی مشکل نہ تھی کہ جن لوگوں پر وہ الزام لگا رہے تھے کہ یہ پرانی پرانی کتابوں کے ترجمے کر کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے ہیں، ان کے گھروں پر اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر چھاپہ

مار کر وہ سارا ذخیرہ برآمد کر لیتے جو اُن کے زعم میں اُس کام کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا اور اسے عوام کے سامنے لا کر رکھ دیتے۔ بلکہ وہ عین اُس وقت چھاپہ مار سکتے تھے جب یہ کام ہو رہا ہو۔ مگر انھوں نے ایک دن بھی یہ اقدام کر کے اپنے الزام کا ثبوت پیش نہ کیا۔

پھر جن لوگوں کے نام وہ اس سلسلے میں پیش کرتے تھے وہ شہر مکہ ہی کے رہنے والے تھے اور اُن کی قابلیتیں کسی سے چھپی ہوئی نہ تھیں۔ کوئی صاحبِ عقل آدمی یہ باور نہیں کر سکتا تھا کہ قرآن جس شان کا کلام ہے اس کے تصنیف کرنے میں یہ لوگ کسی درجے میں بھی حصہ دار ہو سکتے ہیں۔

مزید برآں یہ لوگ دراصل چند دشمنِ اسلام سرداروں کے آزاد کردہ غلام تھے اور عرب کی قبائلی زندگی میں ایک غلام آزاد ہو کر بھی اپنے سابق مالک کی سرپرستی کے بغیر جی نہیں سکتا تھا۔ اب یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ کمزور لوگ اپنے سرپرستوں کی ناراضی مول لے کر ظلم و ستم کے اُس خوفناک ماحول میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاذ اللہ نبوت کی اِس "سازش" میں شریک ہونے کی ہمت کر سکتے تھے؟

اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ یہ تینوں اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے اور آپ سے وہی گہری عقیدت رکھتے تھے جو دوسرے صحابہ کرامؓ کو آپ سے تھی۔ اِسی ایمان کی بدولت وہ بھی دوسرے صحابہ کے ساتھ ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں کون یہ باور کر سکتا تھا کہ جو لوگ خود قرآن کے تصنیف کرنے میں حصہ لے رہے ہوں وہ اُس پر اور اُس کے پیش کرنے والے نبی پر ایمان لائیں اور اُس کی عقیدت کے جرم میں ظلم و ستم برداشت کریں؟

کفار کی ہٹ دھرمی کا ایک عجیب نمونہ

اپنے ہر الزام اور اعتراض کا معقول جواب پا کر کفار کی ہٹ دھرمی نے ایک نرالی صورت اختیار کی، اور وہ یہ تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تو ہم اُس وقت مانتے جب یہ کسی ایسی زبان میں فر فر قرآن سناتے جس سے یہ واقف نہیں ہیں۔ قرآن اس کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ

اگر ہم اس کو عجمی قرآن بنا کر بھیجتے تو یہ لوگ کہتے "کیوں نہ اِس کی آیات کھول کر بیان کی گئیں؟ کیا عجیب بات ہے کہ کلام عجمی ہے اور مخاطب عربی۔" اِن سے کہو یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیے تو ہدایت اور شفا ہے، مگر جو لوگ ایمان نہیں لاتے اُن کے لیے یہ

اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ۝ (حٰمٓ السجدہ ۴۴)	کانوں کی ڈاٹ اور آنکھوں کی پٹی ہے۔ اُن کا حال تو ایسا ہے جیسے اُن کو دُور سے پکارا جا رہا ہو۔

یہ اُس ہٹ دھرمی کا ایک اور نمونہ ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا جا رہا تھا۔ کفار کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عرب ہیں، عربی اُن کی مادری زبان ہے، وہ اگر عربی میں قرآن پیش کرتے ہیں تو یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ کلام اُنھوں نے خود نہیں گھڑ لیا ہے بلکہ ان پر خدا نے نازل کیا ہے۔ اُن کے اس کلام کو خدا کا نازل کیا ہوا کلام تو اُس وقت مانا جا سکتا تھا جب یہ کسی ایسی زبان میں یکایک دھواں دھار تقریر کرنا شروع کر دیتے جسے یہ نہیں جانتے، مثلاً فارسی یا رُومی یا یونانی۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب اِن کی اپنی زبان میں قرآن بھیجا گیا ہے جسے یہ سمجھ سکیں تو اِن کو یہ اعتراض ہے کہ عرب کے ذریعہ سے عربوں کے لیے عربی زبان میں یہ کلام کیوں نازل کیا گیا؟ لیکن اگر کسی دوسری زبان میں یہ بھیجا جاتا تو اُس وقت یہی لوگ یہ اعتراض کرتے کہ یہ معاملہ بھی خوب ہے، عرب قوم میں ایک عرب کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، مگر کلام اُس پر ایسی زبان میں نازل کیا گیا ہے جسے نہ رسول سمجھتا ہے نہ قوم۔

اِس طرح اُن کے اس لغو اعتراض کو رد کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ انہیں یہ بھی سمجھایا گیا کہ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اُس نے تمہاری اپنی زبان میں ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جسے تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو اور یہ جان سکتے ہو کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ اس سے منہ موڑ کر تم اپنا ہی نقصان کر رہے ہو۔

تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ (حٰمٓ السجدہ ۲۔۴)	یہ خدائے رحمٰن و رحیم کی طرف سے نازل کردہ چیز ہے، ایک ایسی کتاب جس کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں، عربی زبان کا قرآن، اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا۔ مگر اِن لوگوں میں سے اکثر نے اس سے رُوگردانی کی اور وہ سُن کر نہیں دیتے۔

اس میں پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ یہ کلام خدا کی طرف سے نازل ہو رہا ہے۔ یعنی تم جب تک چاہو یہ رٹ لگاتے رہو کہ اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود تصنیف کر رہے ہیں، لیکن واقعہ یہی ہے کہ اس کلام کا نزول

خداوندِ عالم کی طرف سے ہے۔ مزید برآں یہ ارشاد فرما کر مخاطبین کو اس بات پر بھی متنبّہ کیا گیا ہے کہ تم اگر اس کلام کو سن کر چین بجبیں ہوتے ہو تو تمہارا یہ غصّہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہیں بلکہ خدا کے خلاف ہے، اگر اسے رد کرتے ہو تو ایک انسان کی بات نہیں بلکہ خدا کی بات رد کرتے ہو، اور اگر اس سے بے رُخی برتتے ہو تو ایک انسان سے نہیں بلکہ خدا سے منہ موڑتے ہو۔

دوسری بات یہ ارشاد ہوئی کہ اس کا نازل کرنے والا وہ خدا ہے جو اپنی مخلوق پر بے انتہا مہربان (رحمٰن اور رحیم) ہے۔ نازل کرنے والے خدا کی دوسری صفات کے بجائے اُس کی صفتِ رحمت کا ذکر اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اُس نے اپنی رحیمی کے اقتضاد سے یہ کلام نازل کیا ہے۔ اِس سے مُخاطبین کو خبردار کیا گیا ہے کہ اس کلام سے اگر کوئی بے رُخی برتتا ہے، یا اسے رد کرتا ہے، یا اس پر چین بجبیں ہوتا ہے تو در حقیقت اپنے آپ سے دشمنی کرتا ہے۔ یہ تو ایک نعمتِ عظمیٰ ہے جو خدا نے سراسر اپنی رحمت کی بنا پر انسانوں کی رہنمائی اور فلاح و سعادت کے لیے نازل کی ہے۔ خدا اگر انسان سے بے رُخی برتتا تو انہیں اندھیرے میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیتا اور کچھ پروا نہ کرتا کہ یہ کس گڑھے میں جا کر گرتے ہیں۔ لیکن یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ پیدا کرنے اور روزی دینے کے ساتھ اُن کی زندگی سنوارنے کے لیے علم کی روشنی دکھانا بھی وہ اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے اور اسی بنا پر یہ کلام وہ اپنے ایک بندے پر نازل کر رہا ہے۔ اب اُس شخص سے بڑھ کر ناشکرا اور آپ اپنا دشمن کون ہوگا جو اس رحمت سے فائدہ اُٹھانے کے بجائے اُلٹا اس سے لڑنے کے لیے دوڑے۔

تیسری بات یہ فرمائی ہے کہ اس کتاب کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ یعنی اس میں کوئی بات گنجلک اور پیچیدہ نہیں ہے کہ کوئی شخص اس بنا پر اسے قبول کرنے سے معذوری ظاہر کرسکے کہ اس کی سمجھ میں اس کتاب کے مضامین آتے ہی نہیں ہیں۔ اس میں تو صاف صاف بتایا گیا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا، صحیح عقائد کون سے ہیں اور غلط عقائد کون سے، اچھے اخلاق کیا ہیں اور بُرے اخلاق کیا، نیکی کیا ہے اور بدی کیا، کس طریقے کی پیروی میں انسان کی بھلائی ہے اور کس طریقے کو اختیار کرنے میں اُس کا اپنا خسارہ ہے۔ ایسی صاف اور کھلی ہوئی ہدایت کو اگر کوئی شخص رد کرتا ہے یا اُس کی طرف توجہ نہیں کرتا تو وہ کوئی معذرت پیش نہیں کرسکتا۔ اُس کے اِس رویّے کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ خود برسرِ غلط رہنا چاہتا ہے۔

چوتھی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ یہ عربی زبان کا قرآن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ قرآن کسی غیر زبان میں آتا تو اہلِ عرب یہ عذر پیش کرسکتے تھے کہ ہم اُس زبان ہی سے نابلد ہیں جس میں خدا نے اپنی کتاب بھیجی ہے۔

لیکن یہ تو ان کی اپنی زبان میں ہے۔ اسے نہ سمجھ سکنے کا بہانا یہ نہیں بنا سکتے۔

پانچویں بات یہ فرمائی گئی ہے کہ یہ کتاب اُن لوگوں کے لیے ہے جو علم رکھتے ہیں۔ یعنی اس سے فائدہ صرف دانا لوگ ہی اُٹھا سکتے ہیں، نادان لوگوں کے لیے یہ اُسی طرح بے فائدہ ہے جس طرح ایک قیمتی ہیرا اُس شخص کے لیے بے فائدہ ہے جو ہیرے اور پتھر کا فرق نہ جانتا ہو۔

چھٹی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ یہ کتاب بشارت دینے والی اور ڈرا دینے والی ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ یہ محض ایک تخیّلی، ایک فلسفہ اور ایک نمونۂ انشا پیش کرتی ہو جسے ماننے یا نہ ماننے کا کچھ حاصل نہ ہو۔ بلکہ یہ ڈنکے پکارسے تمام دنیا کو خبردار کر رہی ہے کہ اسے ماننے کے نتائج نہایت شاندار اور نہ ماننے کے نتائج انتہائی ہولناک ہیں۔ ایسی کتاب کو صرف ایک بیوقوف ہی سرسری طور پر نظر انداز کر سکتا ہے۔

قرآن کی دعوت کو روکنے کے لیے کفار کی تدبیریں

ان سب حربوں میں ناکام ہونے کے بعد ان کا آخری حربہ یہ تھا کہ کُھل کھُل ہٹ دھرمی پر اُتر آئیں، قرآن کی دعوت کو زبردستی روکنے کی کوشش کریں، اور جب قرآن سُنایا جانے لگے تو خوب شور مچائیں اور ہر طرف سے اس کا مذاق اُڑانے اور اس پر آوازے کسنے کے لیے ٹوٹ پڑیں۔

قرآن کریم میں ان کی یہ سب حرکات ایک ایک کر کے بیان کر دی گئیں جن سے ہر معقول آدمی کو معلوم ہو گیا کہ کفار کے پاس اب دلیل کے جواب میں دلیل نہیں ہے بلکہ اس میدان میں شکست کھا کر اب وہ زور، زبردستی اور بیہودگی سے حق کی آواز کو دبانے پر اُتر آئے ہیں۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ۔

(حٰم السجدہ ۔ ۵)

اور انہوں نے کہہ دیا کہ جس چیز کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے اس کے لیے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں (یعنی ہمارے دلوں تک اس کے پہنچنے کا کوئی راستہ کھلا ہوا نہیں ہے)، ہمارے کانوں میں گرانی ہے، (یعنی ہم اسے نہیں سنتے)، اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک حجاب حائل ہو گیا ہے (یعنی جدائی پڑ گئی ہے)۔ پس تو اپنا کام کر، ہم اپنا کام کر رہے ہیں (یعنی تیری مخالفت میں سرگرم ہیں)۔

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

جب یہ کافر لوگ کلامِ نصیحت (قرآن) سنتے ہیں تو

لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ○ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (القلم۔ ۵۱-۵۲)	ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا یہ اپنی غضبناک نظروں سے تمہارے قدم اکھاڑ دیں گے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص تو مجنون ہے۔ حالانکہ یہ تو سارے جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (حٰم السجدہ۔ ۲۶)	اور یہ منکرینِ حق کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور شور مچا کر اس میں خلل ڈالو شاید کہ اس طرح تم غالب آجاؤ۔
فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ (المعارج ۳۶-۳۷)	پس (اے نبیؐ) کیا بات ہے کہ یہ منکرین دائیں اور بائیں سے تمہاری طرف دوڑے چلے آ رہے ہیں؟

"یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت وتبلیغ اور تلاوتِ قرآن کی آواز سن کر مذاق اُڑانے اور آوازے کسنے کے لیے چاروں طرف سے دوڑ پڑتے تھے۔"

فصل چہارم

آخرت پر ایمان لانے کی دعوت

دعوتِ اسلامی کا چوتھا نکتہ یہ تھا کہ لوگ آخرت پر ایمان لائیں۔ یہ ایک محض مختصر سا نکتہ نہ تھا بلکہ اس میں بہت سی اہم حقیقتیں شامل تھیں جنہیں تسلیم کرنے کا مجموعی نام ایمان بالآخرۃ تھا۔

اوّل یہ کہ دنیا میں انسان غیر ذمہ دار بنا کر نہیں چھوڑ دیا گیا ہے کہ یہاں جو کچھ بھی وہ چاہے کرتا رہے اور کوئی اُس سے باز پرس کرنے والا نہ ہو۔ بلکہ یہ دُنیا دار الامتحان ہے جس میں انسان آزمائش کے لیے بھیجا گیا ہے، اور جو کچھ بھی وہ یہاں کرتا ہے اس کی جواب دہی اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے کرنی ہوگی۔